حضرت مجددِ الف ثانیؒ کا نظریۂ توحید

از جناب ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی (کینٹب)
صدر شعبہ عربی فارسی و اردو دہلی یونیورسٹی

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب ایم اے، پی۔ ایچ ڈی کے مقالہ "حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا نظریہ توحید" پر اب سے تین سال پیشتر رسالہ برہان میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ مسرت کا مقام ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مقالہ اب دوبارہ طبع ہو کر پھر شائقین کے لئے بصیرت افروز ہوا ہے۔

ہم مختصراً عرض کئے دیتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے مقالہ پر ملک کے اکثر رسالوں میں جو تبصرے نکلے ان میں بھی فنی اعتبار سے کسی طرح بحث نہیں کی گئی۔ فنی اعتبار سے بحث کرنا تو دشوار کام ہے کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ صاحب تبصرہ خود تصوف کے مسائل سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہو یا خود ان مدارج میں سے گذرا ہو جن کا مجموعہ تصوف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تبصرہ لکھنے والوں میں سے بیشتر حضرات نے تو اتنی زحمت بھی گوارا نہیں فرمائی کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم ان تاریخی واقعات کی چھان بین ہی کرلیں جو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق صاحب مقالہ نے درج فرمائے ہیں ع

"قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" کے مصداق راقم سطور نے ان تاریخی واقعات پر روشنی ڈالی مگر طبع ثانی میں ڈاکٹر صاحب نے ان پر نظر ثانی فرمانا گوارا نہیں کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تاریخی چھان بین کے متعلق راقم سطور نے اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اب دوسری مرتبہ اسی قول کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

کیا ڈاکٹر صاحب ازراہِ کرم اس سلسلے میں ایک دو باتوں پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ پہلے تو ہم ڈاکٹر صاحب سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ روضۃ القیومیہ وہ تاریخ جس سے ڈاکٹر صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے سوانح حیات لئے ہیں کس سنہ میں تالیف ہوئی۔ اس سوال کی ضرورت

اس وجہ سے ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے اشاریہ کشف الرموز میں سنہ تالیف کی صراحت نہیں فرمائی۔ اگر یہ جہانگیر کے کسی معاصر کی تالیف ہے تو کیا ہم دوسرا سوال بھی کر سکتے ہیں یعنی یہ کہ کسی اور مولف یا مصنف نے اس ماخذ سے کام لیا ہے یا نہیں۔

تیسرا سوال ہم ڈاکٹر صاحب سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک تزک جہانگیری اور مآثر الامرا کی ثقاہت اور باعتبار تاریخی کتاب ہونے کے ان کا پایۂ استناد کیا ہے۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ مآثر الامرا کے بعض بیانات کی کبھی کبھی تردید ہوئی ہے مگر وہ صرف اس صورت میں کہ کسی معاصر اہلِ قلم کی کسی تالیف یا تحریر میں کوئی نئی بات دریافت ہوئی ہو۔

چوتھا سوال ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ ہے کہ اگر کوئی مولف اپنے سے پیشتر زمانے کے متعلق قلم اٹھا کر جو چاہے لکھ دے اور اس کی تصدیق اس زمانے کی تالیفات سے نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک وہ مصنف یا مولف معتبر ہے یا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب ہمیں معاف فرمائیں گے اگر ہم ان کی خدمت میں ادب کے ساتھ یہ عرض کریں کہ جس طرح صاحب روضۃ القیومیہ نے عقیدت کے جوش میں مختلف سنین کے واقعات کو اکثر واعظانِ حال کی تقلید میں خواہ مخواہ مربوط فرما کر اپنے من مانے نتائج اخذ کر لئے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے بھی ہمارے اعتراضات سے صرف نظر فرما کر اپنے آپ کو انہی کے زمرے میں داخل فرما لیا۔ اس سے پیشتر کے تبصرہ میں جو تاریخی واقعات پیش کئے گئے تھے وہ صرف اسی جذبہ کے تحت میں پیش کئے گئے تھے، جس نے ڈاکٹر صاحب سے یہ مقالہ لکھوایا اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انھوں نے اپنے مقالہ کے تبصرہ اول میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر عتاب کرنے کی جو وجوہات دی ہیں ان کے علاوہ تزک جہانگیری میں چند کلمے اور بھی ہیں جن کو راقم الحروف نے عمداً ترک کیا نہ صرف اس لئے کہ کسی بادشاہ نے ایک بزرگ ہستی کی نسبت اپنی رائے نا ملائم الفاظ میں بیان کی ہے تو کیا ضرور ہے کہ اس کو دہرایا جائے بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو تبصرہ میں شامل کرنے کی ہمت میں اپنے آپ میں نہیں پاتا تھا۔ ؎

؎ تزک جہانگیری ۲۷۲ و ۲۷۳۔

راقم الحروف کو اس کا پورا پورا احساس ہے کہ ناموس اور عقیدے کے معاملات میں ہلکے سے ہلکا اعتراض بھی اکثر ناگوار گزرتا ہے۔ یہاں ناموس کا سوال ہے نہ عقیدے کا بلکہ یہاں تو بحث اس مضمون سے ہی جو ڈاکٹر صاحب کو عزیز ہے یعنی فلسفہ جس کی غرض اور غایت ہی حقائق کی تہ کو پہنچنا ہے۔ تصویر کا دوسرا رخ ہم نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا اب انھیں اختیار ہے اس کو دیکھکر وہ تاریخی واقعات کے بارے میں اپنا اطمینان کریں یا نہ کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے عقیدہٗ وحدت الوجود کے بارے میں بھی ڈاکٹر صاحب کا قول جوں کا توں موجود ہے حالانکہ اس کی تغلیط نہ صرف فیوض الحرمین میں ملتی ہے بلکہ مکتوبات قدوسیہ میں بھی موجود ہے جو نہ صرف اول الذکر سے مقدم ہے بلکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے کافی پہلے کی تالیف ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس جزوی اطلاع کو بھی اپنی توجہ کا شرف نہیں بخشا۔

امام ابن تیمیہ اور حضرت شیخ اکبر کے سلسلے میں (ملاحظہ ہو نوٹ ۲ ص ۳۲) ڈاکٹر صاحب اتنی تصریح اور فرمادیتے کہ امام ابن تیمیہ محض ایک عالم تھے اور تصوف سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا تو تحقیق اور تفتیش کا حق پورا ہو جاتا اور اس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان دور ہو جاتا جو موجودہ صورت میں بدرجہ اقویٰ موجود ہے۔

صفحہ ۵ پر سرہند کی وجہ تسمیہ اور تعمیر کا حال پڑھنے والے کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اس قصبہ کی بنیاد فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں پڑی حالانکہ یہ بہت پرانا قصبہ ہے اور محمود کے زمانہ میں بھی اس کا ذکر آتا ہے سروآزاد صفحہ ۲۵ سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے اور مزید اطلاعات کا حامل ہے۔

صفحہ ۶ پر نوٹ اول میں ڈاکٹر صاحب نے شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا املا شرف الدین کیا ہے۔ ان کے مقالے میں ایسی غلطیاں کافی تعداد میں موجود ہیں چنانچہ بریلوی بریلوی متعدد مقامات پر چھپا ہوا ملتا ہے۔ بلکہ صفحہ ۳۰ کے وسط میں انگریزی لفظ بین ڈین چھپا ہے۔

متن میں ڈاکٹر صاحب نے سرہند کی تعمیر میں حضرت قلندر صاحب کو بھی شریک کیا مگر نوٹ میں اس کی تردید کی۔ بہتر تو یہ تھا کہ نوٹ میں صرف عام عقیدے یا قول کی تردید فرمادیتے اور متن میں ان کی

شمولیت کا ذکر نہ کرتے۔

اسی صفحہ پر نوٹ میں قرآنِ کریم کو صرف کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ اصلی لفظ الکتاب ہونا چاہئے حضرت ختمی مآب صلعم کے اقوال و اعمال کے نام یعنی احادیث اور سنت کی وضاحت میں اختصار سے کام لیکر نا واقفوں کے لئے اعتراض کی گنجائش چھوڑ دی ہے۔

صفحہ ۷ نوٹ ۱ میں فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کا ذکر ہے اور ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فیضی نے کلام اللہ کی تفسیر از اول تا آخر بے نقط حروف میں کی ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر صاحب سے ایک سہو ہوا ہے فیضی کے مختصر جملے بیشک بے نقط ہیں مگر ان کی صراحت وہ خود قرآن کی عبارتوں اور سورتوں سے کرتا ہے جو بے نقط نہیں ہیں، اتنا تو یقیناً ڈاکٹر صاحب کو بھی معلوم ہوگا کہ فیضی کی اس تفسیر کا ایک نسخہ ریاست الور کے کتب خانہ میں ہے اور ایک رامپور کے کتب خانۂ دولتی میں بھی ہے۔ یہ سچ ہے کہ عام طور پر اس تفسیر کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ وہ بے نقط ہے مگر افواہِ عام میں جو بات مشہور ہو اس میں اور ڈاکٹر کی تحریر میں کوئی فرق تو ضرور ہونا چاہئے۔

صفحہ ۷ میں حضرت سید رضی الدین احمد الملقب بہ خواجہ باقی باللہؒ کی نسبت ڈاکٹر صاحب کا جو ارشاد ہے وہ سر آنکھوں پر یعنی یہ کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بھی بڑھ گئے مگر ڈاکٹر صاحب اس کی نسبت کیا فرماتے ہیں کہ "الفضل للمتقدم" ڈاکٹر صاحب نے اس قسم کا رجحان صفحہ ۲ میں بھی ظاہر فرمایا ہے، جہاں وہ حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ ان حضرات کے مدارج کا احصا اور پھر اس میں محاکمہ کرنا راقم الحروف کے نزدیک ایک طرح کی سوء ادبی ہے۔

صفحہ ۸ پر ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھکر کہ اکثر صوفیہ نے احکامِ شریعت سے سر اطاعت پھیر لیا تھا ایک قسم کی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، صوفیہ کی بہترین مثال یا نمونے حضور سرور کائنات صلعم خلفائے راشدین، اہلبیت اطہار، اصحاب صفہ اور دوسرے بزرگوں کی زندگیوں میں موجود ہیں۔ ان سب نے اور ان کے متبعین نے کبھی شریعت کی پیروی سے انحراف نہیں کیا۔

رہا سماع کا مسئلہ (صفحہ ۹) صوفیہ میں متنازعہ فیہ ہے اس کی کافی پرانی سند تو ذوالنون مصری رحمۃ کے

حال میں ملتی ہے جن کا وصال ۲۳۶ ہجری نبوی میں ہوا مگر سماع سے نفرت نہ ہونے کے باوجود آپ کا ارشاد تھا کہ خدا کی محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان اخلاق وافعال میں اور اوامر وسنن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو حبیبِ خدا ہیں ان کا تابع اور پیرو ہو۔[۵] حضرت بلال بن رباح اسلام کے موذنِ اول کی آواز نہایت شیریں اور دلکش تھی، حضرت عکرمہؓ (المتوفی فی ۱۰۷ یا ۱۰۶ھ) اچھی آواز کے شائق تھے حضرت سالمؓ (شہید جنگِ یمامہ) کی شیریں آواز کی خود سرورِ عالمؐ نے بایں الفاظ تعریف فرمائی الحمد للہ الذی جعل فی امتی مثلک۔[۵۲]

اچھی آواز کو سننا اور اس سے لطف اندوز ہونے کو اسلام نے ممنوع نہیں قرار دیا ہاں مزامیر کے ساتھ سماع کو جائز یا ناجائز قرار دینا دوسری بات ہے۔ سچے صوفیوں کا مسلک خواہ وہ سماع کے حامی ہوں یا مخالف ہمیشہ رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الیٰ اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم والی نیاتکم۔ اس حدیث کو یہاں نقل کرنے سے ہرگز یہ مقصد نہیں کہ سماع کے جواز کا فتویٰ دیدیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے (صفحہ ۱۰۴) صرف علمارسو کا ذکر بیان فرمایا ہے اگر آجکل کے مسلمانوں کی ظاہری اور باطنی حالت پر تبصرہ فرمائیں گے تو کیا کلیہ استخراج فرمائیں گے دوسری گذارش یہ ہے کہ اخیار کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے اور رہتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تنہا ملا عبدالقادر بدایونی کو لیجیے کہ اکبر کا اس پر کبھی کبھی عتاب ہوجاتا تھا۔ نسبتاً عسرت میں رہا مگر قول حق کہنے یا لکھنے سے ڈرتا نہیں تھا۔ یا امرا میں قلیج خاں کو لیجئے کہ مذہبی علوم میں اس کو کس درجہ توغل تھا۔ ابتدائی زمانے میں مرزا عزیز کو کہ اس نے اکبر کے دین الٰہی کو قبول کرنے سے کس درجہ گریز کی کہ ایک مرتبہ تو ہندوستان سے ہجرت ہی اختیار کرلی۔ اکبر تاہم قاضی نور اللہ شوستری کی دیانت کا معترف ہے۔ رہے مخدوم الملک تو ان کو اچھا کون جانتا تھا یا اب سے پہلے علما رسو کو کس نے سراہا ہے خواجہ حافظ نے اپنے اس شعر میں

---

[۵] غلامان اسلام ۲۸۷ و ۲۹۶ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ [۵۲] ایضاً ۵۳

اثر من زبے علی در جہان ملولم و بس ملالتِ علما ہم ز علمِ بے عمل است

علما اور عوام دونوں کی ملالت کا اصل سبب ظاہر فرما دیا ہے۔ جتنا ان میں زہد و اتقا اور خوفِ خدا ہوگا اسی درجہ متبعین کے دلوں میں ان کا احترام ہوگا مگر ان کا عمل خلاف احکام الٰہی اور سنت رسول ہے تو لوگ ان سے خود بخود متنفر ہو جائینگے۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اکبر نے از اول تا آخر اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں کو پرچانے کی کوشش کی۔ یہ پالیسی دراصل اس کی پالیسی نہیں تھی۔ یہ مشورہ اس کے باپ ہمایوں کو شاہ طہماسپ صفوی نے دیا تھا۔ بیرم خاں نے اس پر عمل کیا لیکن اسلام پر حرف نہ آنے دیا۔ اس کے بعد اکبر کا جو رویہ رہا ہے اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اکبر ایک عرصہ تک یعنی اپنے دور سلطنت کے نصف اول تک مسلمان رہا۔ فقرا اور درویشوں اور ان کے مزارات سے اسے ایسی عقیدت تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار فائز الانوار کی زیارت سال میں ایک دفعہ ضرور کرتا، اور بعض مرتبہ اس شان سے کہ میلوں پاپیادہ سفر کرتا۔ اس کے بعد جب شیخ مبارک اور ان کے صاحبزادوں یعنی ابوالفضل اور فیضی کے قدم دربار میں جم گئے تو بادشاہ کو انھوں نے ورغلا کر مسلمانوں کے خلاف کر دیا۔ ادہر ان لوگوں نے درپردہ دھمکا کر علما سے فتوی لے لیا کہ بادشاہ متنازعہ فیہ مسائل میں خود فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہی حال ہندوؤں کے ساتھ جو تعلقات تھے ان کا بھی ہو گیا۔ افراط تفریط نے ایک عالم ایسا پیدا کر دکھایا جو سراسر اسلام کی شان کے منافی تھا۔ مگر اکبر مرا مسلمان۔ اس کی شہادت تزک جہانگیری میں ملتی ہے[۱]۔ اور اس سے زیادہ معتبر شہادت جزوائٹ (Jesuit) فرقے کے پادریوں کی ہے جو سر اڈورڈ میکلیگن نے پنجاب کے "تاریخی رسالہ" میں کچھ عرصہ ہوا چھپوائی تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو شکایت تھی تو اکبر سے تھی۔ ڈاکٹر برہان صاحب نے جہانگیر کو بھی لپیٹ لیا۔ حالانکہ جہانگیر نے فتح کانگڑہ کے ضمن میں اس بات پر خصوصیت سے فخر کیا ہے

---

[۱] تزک۔

کہ اس فتح کا سہرا اس نیازمند درگاہ الٰہی کے سر رہا[۵] یہی نہیں جہانگیر نے تو ان مسلمانوں کو بھی سزائیں دیں جنھیں غیر مسلم فقراء سے عقیدت پیدا ہوگئی تھی خود اس کے الفاظ دیکھئے کیا ظاہر کرتے ہیں۔

"ایں تنبیہ خاص بجہت حفظ شریعت بود، تا دیگر جاہلاں امثال ایں امور ہوس نکنند"[۶]

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جہانگیر ایک لاابالی سا مسلمان تھا۔ فقرا اور مساکین کو خیرات تقسیم کرنے میں اس کی طرف سے کافی دریا دلی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کا ثبوت بھی ملاحظہ ہو:-

چوں در روز یکشنبہ ہفتم ماہ قران تحیین واقع شدہ بود تصدقات از طلا و نقرہ و سائر فلزات و اقسام حیوانات بفقرا و ارباب حاجات مقرر نمودم کہ در اکثر ممالک محروسہ تقسیم نمایند"[۷]

خود اس کے قلم کے لکھے ہوئے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ صوفیہ کا بھی معتقد تھا اور وجدانی ذوق بھی رکھتا تھا بلکہ دوسرے مذہب والوں سے بحث بھی کرتا تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد ہی لکھتا ہے۔

"شب دوشنبہ ہشتم شیخ حسین سرہندی و شیخ مصطفیٰ راکہ بعنوان درویشی و کیفیت و حالت فقر مشہور و معروف بودند طلبیدہ صحبت داشتہ شد رفتہ رفتہ مجلس سماع و وجد گرمی تمام پیدا کرد خالی از کیفیت و حالتے نبودند بعد از اتمام صحبت بہر یک زرہا دادہ مرخص ساختم"[۸]

حضرات خلفائے راشدین کے ساتھ اس کی عقیدت و ارادت کا یہ عالم تھا کہ تزک جہانگیری میں ایک مقام پر وہ حضرت مجدد الف ثانی سے اپنی ناراضگی کی وجہ ہی یہ بیان کرتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے ایکبار تبہ اپنا مقام روحانی خلفائے راشدین سے بھی اونچا بتا دیا تھا چنانچہ لکھتا ہے۔

"یعنی استغفر اللہ از مقام خلفاء گذشتہ بعالی مرتبت رجوع نمودم و دیگر گستاخیہا کردہ کہ نوشتن آں طولے دارد و از ادب دور است"[۹]

اس شرابی کبابی مست لاابالی بادشاہ کی تحریر کا پہلا دوسرا اور تیسرا اقتباس ۱۰۱۹ کی تحریر میں اور خود اسی کے تحریر کردہ ہیں۔ چوتھا اقتباس ۱۰۲۸ کا ہے جب حضرت مجدد الف ثانی کو انی راے سنگدلن

---

[۵] تورک ۳۱۸-۳۱۹ - [۶] ایضاً ۸۲ [۷] و [۸] ایضاً ۸۳ و ۸۳ - [۹] ایضاً ۲۷۳ -

کے سپرد کر کے قلعہ گوالیار میں محبوس کیا ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سنہ ۱۰۱۰ھ ہجری میں اپنی مجددیت کا اعلان کیا۔ سنہ ۱۰۱۹ھ میں جہانگیر نے خود شیوخ سرہند کو طلب فرما کر مجلس سماع میں شرکت کی۔

سطور بالا سے یہ بات قطعاً واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر برہان احمد صاحب کی تاریخی چھان بین سراسر ناقابل اعتبار اور ان کی قوت اجتہاد ہمارے ملک کے ایک مشہور اہل قلم کی سی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مقالہ کا تاریخی پس منظر سراسر ان کی شان سے گرا ہوا ہے۔

روضۃ القیومیہ پر حصر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے رہائی پانے پر جب بادشاہ نے ان سے تشریف آوری کی درخواست کی تو آپ نے کئی شرطیں پیش فرمائیں کہ انھیں پورا کروگے تو آؤں گا یہ شرطیں حسب ذیل تھیں (ص ۱۷، ۱۸)

(۱) سجدۂ تعظیمی موقوف کیجئے۔

(۲) مسجدیں جو منہدم کی گئی ہیں دوبارہ تعمیر کی جائیں۔

(۳) گاؤکشی کے خلاف جو احکام صادر ہو چکے ہیں منسوخ کئے جائیں۔

(۴) قانون اسلام کی ترویج کے لئے قاضی مفتی اور محتسب مقرر کئے جائیں۔

(۵) جزیہ دوبارہ لگانا چاہیے۔

(۶) جملہ بدعتیں روک کر احکام شریعت کا نفاذ کیا جائے۔

(۷) مصرحہ بالا امور کے خلاف ورزی کرنے پر جو اشخاص مقید کئے گئے ہیں ان کو آزاد کیا جائے۔

سردست شرط ۷ کو لیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس شرط پر غور نہیں فرمایا۔ یہ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو لوگ سجدہ تعظیمی نہ کرنے کے جرم میں محبوس ہوئے ہیں وہ رہا کئے جائیں۔ ۲ کے ساتھ اس آخری شرط کو لیجئے۔ اب ہم ڈاکٹر صاحب سے بادب التماس کرتے ہیں کہ وہ ذرا معنی کی وضاحت فرمائیں یعنی پہلے تو یہ بتائیں کہ جہانگیر کے عہد میں کون کون سی مسجدیں شہید کی گئیں یا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد ان مساجد سے ہے جو اکبر کے زمانے میں شہید ہوئیں تھیں۔ ایسے بزرگ کی ذات سے ایک مبہم بیان کو منسوب کرنا کہاں تک جائز یا قرین انصاف ہو سکتا ہے۔

دوسری بات تشریح طلب یہ ہے کہ صاحب روضۃ القیومیہ کی اس شرط سے کہیں یہ تو مراد نہیں ہے کہ جن لوگوں نے شہید کی ہوئی مساجد کو دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ جہانگیر نے انھیں قید میں ڈالدیا ہو۔ لیکن جہانگیر خواہ کیسا ہی رندلاابالی ہو۔ تاہم دینی حمیت اس میں کم نہیں تھی چنانچہ اس نے بارہ دفعات کا جو دستور العمل تخت نشینی کے بعد ہی نافذ کیا تھا۔ اس کی دوسری دفعہ میں اس بات کا صاف حکم ہے کہ غیر آباد علاقوں میں نئی مساجد تعمیر کی جائیں۔ تیسری دفعہ شکستہ مسجدوں اور پلوں کی مرمت اور اُن کی تجدید کے بارہ میں ہے۔ علی الخصوص لاوارث لوگوں کے چھوڑے ہوئے روپیہ سے، اور اس قسم کے مصرف کو وہ مصرف شرعی کہتا ہے۔ [1]

اب ڈاکٹر صاحب یا تو یہ ثابت کریں کہ ان احکام کی تعمیل نہیں ہوئی یا روضۃ القیومیہ کی اس شرط کے غلط اور بے سروپا ہونیکا اعتراف فرمائیں۔

اب لیجئے روضۃ القیومیہ کی تیسری شرط جس کا تعلق گاؤکشی کے احکام کی تنسیخ سے ہے اکبر نے اس قسم کے احکام بیشک جاری کئے تھے مگر ابوالفضل کہیں کہیں اکبرنامے یا آئین اکبری میں روتے نظر آتے ہیں کہ ان احکام کی پوری پوری پابندی نہیں ہوتی، یہ مطالبہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نہیں معلوم ہوتا بلکہ صاحب روضۃ القیومیہ کی حرفت کا شاخسانہ ہے کیونکہ اول تو صوفیہ بالعموم گوشت خوری سے نفور اور لا تجعلوا ابطانکم قبوراً پر مائل ہوتے ہیں دوسرے پیاز لہسن اور گوشت گاؤ ان کے ہاں گرم ہونے کی بنا پر بالخصوص ممنوع ہیں۔ محض اسلام کی برتری کیلئے یہ مطالبہ نہ صرف ادنیٰ بلکہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب اس بات پر یقین کر سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرف سے اس قسم کا مطالبہ ہوا ہوگا۔ ذبیحہ اکبر کے زمانے میں ہفتہ میں دو روز اور جہانگیر کے دورِ حکومت میں تین روز کے لئے بند ہوا ہے یعنی اس کی ممانعت کا حکم صادر ہوا ہے۔ [2]

حق یہ ہے کہ اسلام کی برتری احکام شریعت کی پابندی انصاف اور راست گوئی اور اکلِ حلال میں ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے دورِ اول کے مسلمانوں کا رعب غیر مسلم اقوام اور کفار کے دلوں میں

---

[1] تو زک ۴ [2] ایضاً۔

بٹھا کر اسلام کی حقانیت کا علم نصب کیا۔

راقم الحروف کے نزدیک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان نام نہاد شرائط میں کوئی بات بھی ایسی اہم نہیں جیسی کہ اتحاد بین المسلمین یا مواخاۃ فی اللہ ہو سکتی ہے اور جس کی ضرورت نہ صرف آج ہے بلکہ اس سے پیشتر اکبر کے زمانے میں بھی حد درجہ شدید تھی۔ کیونکہ اکبر کی پالیسی یا عہد حکومت پر ایک گہری نظر ڈالئے تو صرف ایک بات محسوس کیجئے گا اور صرف ایک نتیجہ پر پہنچئے گا وہ یہ ہے کہ اکبر کا کارنامہ تھا مسلمانوں کے سروں کے مینار یا کلہ مینار بنانا جو پشاور سے لیکر بنگال تک بنے مسلمانوں کے اس خون سے نہیں بلکہ افغانوں کے بہم پہنچائے ہوئے اس چونے گارے سے وہ عمارت تعمیر ہوئی جو تاریخ میں سلطنت مغلیہ کے نام سے مشہور ہے، اکبر کی پالیسی کا ایک درخشاں کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے مرکز سلطنت کی تقویت کے پیچھے دوسرے مرکزوں کو اتنا ضعف پہنچایا کہ جب اس کے جانشینوں میں سے ان کے بداعمالی کے سبب صلاحیت اور حکومت کی استعداد سلب ہوگئی تو بیرون ملک کی ایک طاقت نے زمام حکومت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اکبر کی زرپرست طبیعت نے ملک کے جنوب میں جو اسلامی طاقتیں تھیں ان کے استیصال کا ایک کورکورانہ مسلک قائم کرکے اپنے اخلاف خاصکر اورنگ زیب کے ہاتھوں ان کا خاتمہ کرایا۔ کیا قاضیوں مفتیوں اور محتسبوں کا تقرر اس مضعفِ اسلام روش کی تلافی کر سکتا تھا۔

پانچویں شرط یہ تھی کہ جزیہ کا دوبارہ نفاذ کیا جائے اس کی نسبت صرف اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کہ جزیہ ذمیوں پر ٹیکس تھا لیکن اس مسئلہ پر جب اس خیال سے غور کرتے ہیں کہ آیا اس زمانے کے ہندوستان میں مسلمانوں کی قلیل تعداد اس قابل تھی کہ وہ ذمیوں سے جزیہ وصول کرکے خالص اسلامی فوج رکھ سکتے تو مسئلہ کی نوعیت اور ہو جاتی ہے۔ میری معلومات اس مبحث میں محدود ہیں اس لئے میں مذہبی اصول کی روشنی میں اس عنوان پر اظہار خیالات کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ البتہ اس مضمون پر ویسے ایک آدھ سوال کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس ملک میں جن مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں جزیہ وصول ہوتا تھا ان کی فوج میں غیر مسلم سپاہیوں کی کیا حیثیت تھی آیا وہ تنخواہ دار رکھے

یا مالِ غنیمت میں سے انھیں بروئے شرع کوئی حصہ ملتا تھا۔ جب وہ خود شریک جنگ ہوتے تھے تو ان سے یا ان کے ہم مذہبوں سے جزیہ لینا کہاں تک قرینِ انصاف ہو سکتا تھا بہرحال اگر یہ مطالبہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے تھا تو اتنا ضرور کہا جائے گا کہ انھوں نے اس امر پر غور نہیں فرمایا کہ مسلمان بادشاہ کی فوج میں ہندو سپاہی بھی ہوتے ہیں پس جزیہ عائد کرنے کی صورت میں وہ کس سلوک کے مستحق ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں سلطنت یا حکومت کی آمدنی کے ذرائع اتنے وافر تھے کہ فوج رکھنے کے لئے کسی خاص ٹیکس کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ جہانگیر نے اس بات پر فخر کیا ہے کہ میوہ دار درخت پر با منفعت ہونے کی وجہ سے ٹیکس نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے بھی سردرختی[۵۱] پر کوئی محصول نہیں رکھا تھا ٹیکس۔ کی ایک جگہ بعض تفصیلیں بیان کر کے لکھتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ درگاہ ایزدی کے اس نیازمند کو تمام ممالک محروسہ کا تمغا معاف کرنے کی توفیق حاصل ہوئی اور اس تمغا کا نام میری قلمرو سے تو جاتا ہی رہا۔[۵۲]

چھٹی شرط اس سے پیشتر لکھی جا چکی ہے ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

ساتویں شرط اس سے پیشتر گزر چکی ہے اس پر رائے زنی کرنا تضیع اوقات ہوگا۔

اس کے بعد ڈاکٹر برہان احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے یہ شرطیں منظور کر لیں مگر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس کے بعد جزیہ کا نفاذ ہوا نہ قاضیوں مفتیوں اور محتسبوں کا تقرر بدعتیں اسی طرح جاری ہیں، محبوسین آزاد نہیں ہوئے۔ سجدۂ تعظیمی اسی طرح جاری رہا اور بادشاہ کی شراب خواری بھی۔ اس کی زندگی میں کوئی تغیر ہوا نہ انقلاب۔ غیر مسلم بیگمیں اس کے حرم میں رہیں نہ انھوں نے اسلام قبول کیا پھر یہ شرطیں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بادشاہ نے منظور کر لی تھیں۔ لطف یہ ہے کہ صاحب روضۃ القیومیہ کے لکھنے پر ڈاکٹر صاحب نے بھی ان پر صاد کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب بادشاہ نامہ، تزک جہانگیری یا اقبال نامۂ جہانگیری یا مآثر جہانگیری یا آثر رحیمی کسی تاریخ سے بھی تو ان کی منظوری کا ثبوت دیں۔ غالباً ان کو یہ بات

---

۵۱ توزک ۲۵۲۔ ۵۲ ایضاً، ۲۰۶۔

فراموش ہوگئی کہ تاریخی واقعات کی چھان بین حضرات مولویان یا واعظین کے وعظ سی مختلف چیز ہے۔ اس میں سنی اَن سنی اور کہی ان کہی نہیں ہو جاتی بلکہ روات کی ثقاہت وغیرہ کو سختی کے ساتھ جانچا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر صاحب کا قول جسے انھوں نے روضۃ القیومیہ سے لیا ہے اور جہانگیر کا اپنا بیان۔ پہلے ہم ڈاکٹر صاحب یعنی روضۃ القیومیہ کا بیان ثبت کرتے ہیں جو یہ ہے:۔ جب حضرت شیخ جہانگیر کے پاس تشریف لائے تو وہ ان کے ساتھ احترام سے پیش آیا اور ان کی خدمت میں نذر اور خلعت بھی پیش کیا اس کے بعد حضرت شیخ زندگی کے باقی ماندہ حصہ میں بادشاہ کے مشیر خاص ہوئے۔

کیا ہم ڈاکٹر صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کے بعد کہاں سکونت اختیار فرمائی۔ بادشاہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے یا سرہند بیٹھ کر بادشاہ کو اپنے مشورہ سے مستفید فرماتے تھے۔ اس کے بعد تزک میں ان کا کہیں ذکر نہیں آیا اس کی کیا وجہ ہے، نہ بادشاہ نے خود اس عنایت کا اعتراف کیا۔

اب تو زک جہانگیری کے بیان پر بھی ڈاکٹر صاحب ایک نظر ڈال لیں۔

دریں تاریخ شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت روزے چند در زندانِ ادب محبوس بود بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم خلعت وہزار روپیہ خرچی[۵۴] عنایت نمودہ در رفتن وبودن مختار گردانیدم او از روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ وتادیب در حقیقت ہدایتے وکفایتے بود نقشِ مراد در ملازمت خواہد بود۔ [۵۵]

---

[۵۴] خرچی کی تصریح قابل غور ہے، نیز یہ ایک حقیر سی پیشکش تھی جو نہ بادشاہ کی شان کے شایاں تھی نہ حضرت شیخ کے مرتبہ کے لائق پھر اس کو نذر قرار دینا کہاں تک درست ہے۔ حذف عبارت عمداً ہے۔

[۵۵] تو زک ۳۰۸۔ ان الفاظ کے نقل کرنے کی ذمہ داری میں ڈاکٹر صاحب کے ذمہ رکھتا ہوں اگر وہ ایک ایک مشہور اہلِ قلم کا تتبع نہ فرماتے تو میں قطعاً ان کو یہاں ثبت نہ کرتا مگر حق وانصاف اور تفتیش کا تقاضہ ہے کہ ادب واحترام کو ملحوظ نہ رکھ کے جو حقیقت جہاں سے ملے وہ ڈاکٹر صاحب اور ناظرین کی خدمت میں بے کم وکاست پیش کر دوں۔

یہاں پر راقم سطور ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں اظہار تشکر کرتا ہے کہ انھوں نے جو غلطی طبع اول میں کی تھی اور جس کا اظہار ان کے مقالے کے تبصرہ میں اس ہیچمدان نے کیا تھا اس کی اصلاح طبع ثانی میں کردی۔ طبع اول میں شہزادہ پرویز کی پیشکش کو ڈاکٹر صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بادشاہ کی پیش کش فرض کرلیا تھا اور اسی صفحہ یعنی ۲۷۳ کا حوالہ بے تکلف دے گئے تھے مگر دوسرے تاریخی واقعات کی تصحیف وتحریف یا تقدیم وتاخیر کو جس کو انھوں نے روا رکھا ہے ناقابلِ التفات تصور فرما کر نظری کردیا۔ البتہ ناظرین کی خدمت میں اتنی التماس ہے کہ وہ توزک جہانگیری کے صفحہ ۲۷۳ کے الفاظ کا اوپر کے نقل کئے ہوئے ٹکڑے سے مقابلہ کرلیں اور یہ بھی خیال رکھیں کہ یہ الفاظ خود جہانگیر کے اپنے قلم کے لکھے ہوئے ہیں معتمد خاں کے نہیں ہیں۔ توزک جہانگیری کے صفحہ ۲۵۲ میں اس کی صراحت خود جہانگیر کی طرف سے ہے۔ یہ اس لئے عرض کیا گیا کہ ڈاکٹر صاحب نے جہانگیر کی مخالفت کی وجہ روضۃ القیومیہ کی سند پر آصف خاں کے مشورہ کو گردانا ہے شاید اسی اختلافِ عقائد یعنی شیعہ ہونے کے باعث حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کسی طرح کی مخاصمت پیدا ہوگئی ہوگی[1]۔ نیز حضرت کے مکتوبات سے ظاہر ہے کہ ان کی کوششیں شیعی عقائد کے خلاف بھی جاری رہی ہیں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس کا بار معتمد خاں پر پڑے جس نے اس کے بعد جہانگیر کے حکم سے واقعات کے انضباط کا کام اپنے ذمہ لیا مگر اس کی تحریریں بادشاہ کی نظر سے برابر گذرتی رہیں اور ان کی اصلاح بھی ہوتی رہی۔

مقالہ کے صفحہ ۱۶ پر حضرت مجدد الف ثانی اور جہانگیر کی ملاقات کا حال ہے جہانگیر کی طرف سے ان پر یہ الزام کہ انھوں نے اپنے مکتوبات میں غیر اسلامی خیالات کی تبلیغ فرمائی ہے پتہ نہیں روضۃ القیومیہ میں اس کی تصریح ہے یا نہیں جہانگیر نے اس کے ضمن میں جو خود لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔

کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ و دران جنگ مہملات بسا مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ

---

[1] ملاحظہ مقالہ کا صفحہ ۱۶ طبع ثانی۔ [2] ڈاکٹر صاحب نے اس کی صراحت نہیں فرمائی ہے یہ میری طرف سے اضافہ ہے۔

کہ بکفر وزندقہ منجر می شود از انجملہ در مکتوبے نوشتہ کہ در اثنائے سلوک گذارم بمقام ذی النورین افتاد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ازانجا درگذشتم بمقام فاروق پیوستم وازمقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وازانجا بمقام محبوبیت واصل شدہ مقامے مشاہدہ افتاد[۵۱] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی استغفراللہ از مقام خلفا درگذشتہ بعالی مرتبت رجوع نمودم[۵۲] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آگے چل کر جہانگیر لکھتا ہے کہ۔

"از ہر چہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمودو با عدم خرد و دانش بغایت مغرور خود پسند ظاہر شد (اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ حضرت نے سجدہ کرنے سے انکار کیا ہوگا)۔

روضۃ القیومیہ کا بیان ہے کہ حضرت شیخؒ نے الزامات کا دندان شکن جواب دیا، اس سے بیشتر رہائی کے بارے میں جہانگیر نے جو لکھا ہے ناظرین اس کو بھی جانچ لیں، اور وہ یہ بھی دیکھیں کہ توزک کے صفحہ ۲۸۲ پر اس نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بارے میں کیا لکھا ہے ملاحظہ ہو۔

شیخ عبدالحق دہلوی کہ از اہل فضل وارباب سعادت است دریں آمدن دولت ملازمت دریافت کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند بنظر درآمدہ خیلے زحمت کشیدہ مدتہا ست کہ در گوشہ دہلی بوضع توکل وتجرید بسر می برد مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست[۵۳]۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ان دونوں کی نسبت ہم نے جہانگیر کی جو عبارتیں اوپر نقل کی ہیں ان کی روشنی میں کون کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر برہان احمد صاحب نے حضرت مجدد صاحب کے ساتھ جہانگیر کی غیر معمولی ارادت وعقیدت کا جو حال لکھا ہے اس کی حقیقت محض ایک اختراعی افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسی عظیم المرتبت شخصیت کی بزرگی کو ثابت کرنے کے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ ایک دنیادار بادشاہ کی ان سے عقیدت وارادت غیر تاریخی بیانات کی روشنی میں خواہ مخواہ ثابت کی جائے۔

---

۵۱ توزک ۲۷۳ ۵۲ ایضاً یہ جہانگیر کی ذاتی رائے ہے ۵۳ یہ بزرگ آخر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلہ میں داخل ہو گئے تھے ملاحظہ ہو تتمہ اخبار الاخیار۔ اس بیان میں بادشاہ کی مراد اسی تالیف سے ہے۔